ولایت نکاح

علامہ شیخ وھبہ زحیلی

الحمدلله رب العالمین، والعاقبة للمتقین، والصلاة والسلام علی أفضل الأنبیاء والمرسلین وعلی آله وصحبه أجمعین۔امابعد

یہ ایک حقیقت ہے کہ زندگی میں باہمی عہد و پیمان کا نظام معاشرتی روابط کو منظم اور استوار کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے، معاملات میں سب سے نازک اور اہم معاملہ نکاح کا ہوتا ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ ایک ایسے نئے خاندان کی تشکیل ہوتی ہے جسے پوری زندگی کے لئے بقاء اور استحکام حاصل ہوتا ہے، اسی بنیاد پر فریقین کے حقوق اور فرائض کا تعین ہوتا ہے، لہذا اسلام کی طرف سے اس پر توجہ دیا جانا ضروری اور واضح تھا، فقہ میں اس کے احکام اور اس کے ضمن میں پیدا شدہ فسخ یا طلاق کے احکام ذکر کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر اس پہلو کی اجمالاً اور تفصیلاً وضاحت ہو جائے جس کا اس سے کسی بھی طرح کا تعلق ہو۔

اس سلسلہ میں رہنمائی کرنے والے قرآن وسنت سے ثابت شرعی نصوص زیادہ تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں بہ نسبت ان دوسرے تشریعی احکام کے جو عبادات اور خاندان کے احکام یعنی وراثت ووصیت کے علاوہ ہیں۔

عقد نکاح کے احکام وشرائط میں سے ایک ولایت بھی ہے، جو عقد اور کفاءت کے سلسلے میں اس لئے حاصل ہوتی ہے تاکہ رشتہ مستحکم ہو، اس کا باہمی رابطہ مضبوط ہو اور تاعمر برقرار رہے۔

ولایت کے اثبات یا نفی کے سلسلہ میں فقہاء کے نقطہائے نظر یا تو حق آزادی اور عورت کی کامل اہلیت کو ملحوظ رکھنے سے متاثر ہیں، جیسا کہ حنفیہ کا نقطۂ نظر ہے، یا اس کا مقصد زیادہ باخبر اور واقف ولی کے ذریعہ عورت کے مفاد کا حصول ہے، جیسا کہ جمہور فقہاء کا رجحان ہے۔

عملی زندگی کا تقاضا ہے کہ مندرجہ ذیل سوالات کی روشنی میں اس موضوع پر گفتگو کی جائے۔

ا۔نکاح میں ولایت سے کیا مراد ہے، اور ولایت علی النفس کی شرطیں کیا ہیں؟

ولایت کے لغوی معنی یا تو محبت اور نصرت کے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی کے ارشاد "والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولیاء بعض" (توبہ/۷۱) میں ہے، یا اس کے معنی اقتدار اور قدرت کے ہیں، کہا جاتا ہے: "صاحب الولایة علی القطر الفلانی"۔ یا اس کے معنی والی کے ہیں یعنی صاحب اقتدار و اختیار۔ ولایت، وَلْیٌ بمعنی قرب سے مشتق ہے۔

ولایت شرعاً جیسا کہ امام نووی نے اپنی کتاب "التوقیف علی مهمات التعاریف" میں ذکر فرمایا ہے، یہ ہے: "تنفیذ القول علی الغیر، شاء الغیر أم أبی" یعنی دوسرے پر قول کو نافذ کرنا، دوسرا چاہے یا نہ چاہے۔ یا

اس کا مفہوم ہے: ''القدرۃ علی مباشرۃ التصرف من غیر توقف علی إجازۃ أحد'' یعنی دوسرے کی اجازت پر توقف کے بغیر کسی تصرف پر قادر ہونا۔

عقد کرانے والے کو ولی کہتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''فلیملل ولیّہ بالعدل'' (بقرہ/۲۸۲)۔ چھوٹوں اور پاگلوں کے نکاح کے سلسلے میں ولایت (بالاتفاق ولایت اجبار) کی مشروعیت کا سبب ان کے مفادات کی رعایت اور ان کے حقوق کا تحفظ ہے، تاکہ عاجز اور کمزور ہونے کی بنا پر ان کے حقوق ضائع نہ ہوں۔

ولایت نکاح کی دو قسمیں ہیں: ولایت اجبار، ولایت اختیار۔

ولایت اجبار کا مفہوم یہ ہے کہ دوسرے کی رضا یا اس کا انتخاب معلوم کئے بغیر اس پر قول کو نافذ کیا جائے، اس کا ثبوت یا تو قرابت کے سبب ہوتا ہے، ایسی صورت میں اسے ولایت قرابت کہتے ہیں، یا اس کا ثبوت امامت کے سبب ہوتا ہے، ایسی صورت میں اسے ولایت امامت کہتے ہیں۔

ولایت قرابت کا اثبات ولی کے لئے مولی علیہ (زیر ولایت شخص) سے قرابت کے سبب ہوتا ہے تو یہ قرابت یا تو قریب کی ہوگی جیسے باپ، دادا اور بیٹا۔ یا دور کی ہوگی جیسے ماموں زاد اور چچازاد بھائی۔

ولایت امامت سے مراد امام عادل اور اس کے نائب، مثلاً سلطان اور قاضی کی ولایت ہے، لہذا ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ اہلیت سے عاری یا ناقص اہلیت والے کا نکاح کرائے، بشرطیکہ اس شخص کا کوئی ولی قریب موجود نہ ہو، سلطان اور قاضی کا یہ عمل حدیث نبوی ﷺ ''السلطان ولي من لا ولي له (۱)'' (سلطان اس شخص کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو) کے مطابق ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ نکاح میں ولایت اجبار اپنے مخصوص مفہوم کے اعتبار سے ولی کا وہ حق ہے جس کی بنیاد پر اسے اختیار ہے کہ دوسرے کا نکاح جس سے چاہے کردے۔

رہا ولایت اختیار تو اس سے مراد ولی کا وہ حق ہے جو مولی علیہ (زیر ولایت شخص) کے انتخاب اور اس کی مرضی کے مطابق نکاح کرانے کے سلسلے میں اسے حاصل ہوتا ہے، ایسی ولایت کے حامل شخص کو ولی مختار کہتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگرد امام زفرؒ کے نزدیک آزاد، عاقلہ، بالغہ عورت کے نکاح میں یہ ولایت مستحب ہے، خواہ وہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ، اس طرح ان روایات اور طریقوں کے محاسن کی رعایت ہوجاتی ہے جنہیں اسلام نے ملحوظ رکھا ہے، کیونکہ مذہب حنفی کے مطابق عورت اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے اپنا نکاح خود کرسکتی ہے، لیکن اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ نکاح کا معاملہ اپنے ولی کے سپرد کردے۔ ولایت اختیار کے اثبات کے لئے صرف مولی علیہ (زیر ولایت شخص) کی رضامندی شرط ہے، کسی اور کی نہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ولی صرف ولی مجبر ہے جس کی ولایت نابالغوں، پاگلوں اور معتوہین پر ہوتی ہے، اور ولایت اجبار صرف نابالغہ پر ہوتی ہے خواہ وہ ثیبہ اور معتوہہ ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح نابالغ اور مجنون کے نکاح میں ولی کی موجودگی شرط ہے، لیکن مکلفہ (عاقلہ، بالغہ) کے نکاح میں یہ شرط نہیں ہے (۲)۔

عورت کے نکاح میں ولایت کی شرط سے متعلق فقہاء کے نقطہائے نظر:

عورت کے نکاح کے سلسلے میں ولایت کی شرط یا عبارت نساء کے ذریعہ انعقاد نکاح سے متعلق مسلم فقہاء کی دو رائیں ہیں: ایک رائے حنفیہ کی ہے جس کے مطابق اگر ایک عورت بغیر ولی کے عقد نکاح کے دو اجزاء (ایجاب و قبول) میں سے کسی ایک کو استعمال کرتی ہے تو اس کی عبارت سے نکاح صحیح ہو جائے گا، دوسری رائے جمہور (بقیہ ائمہ) کی ہے جس کی رو سے ولی کے بغیر عقد ہی باطل ہو جائے گا (۳)۔

جہاں تک پہلی رائے کا تعلق ہے تو ظاہر الروایہ میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ آزاد مکلفہ (عاقلہ بالغہ) کا نکاح بغیر ولی کی رضامندی کے نافذ ہو جائے گا، لہذا عاقلہ بالغہ عورت کو اختیار ہے کہ اپنا اور اپنے علاوہ دوسرے کا نکاح کرائے، لیکن اگر عورت اپنا نکاح خود کرائے اور اس کا ولی عصبہ موجود ہو تو اس کے نکاح کی صحت اور لزوم کے لئے شرط یہ ہے کہ شوہر کفو ہو، اور مہر، مہر مثل سے کم نہ ہو، لہذا اگر اس نے غیر کفو میں نکاح کر لیا تو ولی کو اس نکاح پر اعتراض کا حق حاصل ہوگا اور قاضی ایسے نکاح کو فسخ کر دے گا، لیکن اگر ولی خاموش رہا یہاں تک کہ عورت کو بچہ پیدا ہو گیا یا اسے حمل قرار پا گیا اور وہ حمل ظاہر ہے، تو ایسی صورت میں بچہ کی پرورش کے پیش نظر ولی کا حق اعتراض و مطالبۂ تفریق ساقط ہو جائے گا، کیونکہ ماں باپ کی تفریق سے بچہ ضائع ہو جائے گا، اور دونوں کا ساتھ رہنا بلا شبہ بچہ کی تربیت کے لئے قرین مصلحت ہے۔

مفتی بہ قول یہ ہے کہ اگر عورت غیر کفو میں نکاح کر لے تو عقد فاسد ہو جائے گا، لہذا اگر ولی ایسے عقد سے اتفاق بھی کر لے تب بھی عقد صحیح نہیں ہوگا، یہ حکم حضرت حسن کی روایت کے مطابق ہے، اور یہی مختار ہے، لیکن ظاہر الروایہ کے مطابق کفاءت کا اعتبار لزوم نکاح کے لئے ہوگا، کفاءت کے اعتبار کے سلسلے میں امام مالک، ثوری اور حنفیہ میں سے امام کرخی کا مسلک اس کے خلاف ہے (۴)۔

کفاءت کے شرط لزوم ہونے کے سلسلے میں فقہاء کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حدیث "الأيّم أحقّ بنفسها من وليّها، والبكر تستأمر في نفسها وإذنها صماتها" (۵) (ثیبہ اپنے نفس کے سلسلے میں اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے، اور کنواری سے اس کے معاملہ میں رائے معلوم کی جائے گی، اور اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے) اور أیّم کا معنی ہے: وہ عورت جس کا کوئی شوہر نہ ہو، خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور "أحق" سے معلوم ہوا کہ عورت اور ولی میں سے ہر ایک کو ایک قسم کا حق حاصل ہے، یہ بھی واضح رہے کہ اگر عورت راضی ہو تو ولی کو صرف نکاح کرانے کا حق ہے، جبکہ اس حدیث نے عورت کو ولی سے زیادہ نکاح کا حقدار بنایا ہے۔

۲۔ عورت تمام مالی تصرفات بیع، اجارہ، رہن وغیرہ کی کامل اہلیت رکھتی ہے، لہذا وہ اپنا نکاح خود کرنے کی بھی اہل قرار پائے گی، کیونکہ تصرف کرنا خالص اس کا حق ہے، جہاں تک دوسری رائے کا تعلق ہے جو جمہور کی رائے ہے، تو وہ یہ ہے کہ نکاح بغیر ولی کے درست نہیں ہوگا، عورت اپنا یا دوسرے کا نکاح کرانے کی اہلیت نہیں رکھتی ہے، اسی

طرح وہ اپنے نکاح کے سلسلے میں ولی کے سوا دوسرے کو وکیل بھی نہیں بنا سکتی ہے، لہٰذا اگر وہ عاقلہ بالغہ ہونے کی صورت میں بھی ایسا کرے گی تو اس کا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

یہی رائے بیشتر صحابہ ؓ کی بھی ہے، جیسے ابن عمر، علی، ابن مسعود، ابن عباس، ابو ہریرہ، اور عائشہ رضی اللہ عنہم۔ سعید بن المسیب، حسن بصری، عمر بن عبد العزیز، جابر بن زید، ثوری، ابن أبی لیلی، ابن شبرمہ، ابن المبارک، عبید اللہ العنبری، اسحاق اور ابو عبیدہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عائشہ، حضرت ابو موسی اور حضرت ابن عباس کی حدیث: "لا نکاح إلا بولي" (٦) (بغیر ولی کے نکاح درست نہیں)۔ نیز حضرت عائشہ ؓ کی حدیث: أیما امرأة نکحت بغیر إذن ولیها، فنکاحها باطل باطل باطل، فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها، فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له (٧) (جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے، تو اگر مرد نے اس عورت سے مباشرت کرلی تو اس کی شرمگاہ کو حلال کرنے کی بنا پر اس کے لئے مہر ہے، اور اگر اولیاء کے درمیان نزاع پیدا ہو جائے تو سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں)۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ ؓ کی حدیث: "لا تزوج المرأة نفسها، فإن الزانیة هي التي تزوج نفسها" (٨) (کوئی عورت اپنا نکاح خود نہ کرے، کیونکہ زانیہ ہی اپنا نکاح خود کرتی ہے)۔

۲۔ شادی ایک اہم، پائیدار اور کثیر المقاصد معاملہ ہے، ایک خاندان کی تشکیل، اطمینان کا حصول اور استحکام اور اس طرح کے دوسرے امور نکاح کے خاص مقاصد ہیں، مرد امور زندگی کا وسیع تجربہ رکھنے کی بنیاد پر ان مقاصد کو ملحوظ رکھنے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے، رہی عورت تو اس کا تجربہ محدود ہوتا ہے اور وہ وقتی حالات سے متاثر ہو جاتی ہے ! ؛ اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ اپنا نکاح خود نہ کرے بلکہ یہ معاملہ اپنے ولی کے سپرد کردے۔

ولایت علی النفس کی شرطیں:

اس سوال کے دوسرے جز کا تقاضا یہ ہے کہ ولایت علی النفس کے سلسلہ میں مطلوب معروضی شرطوں کو بیان کیا جائے، چنانچہ ولایت یا تو صرف نفس پر ہوتی ہے، یا صرف مال پر، یا دونوں پر۔

ولایت علی النفس سے مراد نابالغ کے شخصی امور کی سرپرستی ہے، جیسے شادی کرانا، تعلیم دلانا، دوا علاج کرانا اور برسر روزگار بنانا۔ یہ ولایت باپ، دادا اور دیگر تمام اولیاء کو حاصل ہوتی ہے۔

ولایت علی المال سے مراد نابالغ کے مالی امور کی تدبیر کرنا ہے، مثلاً مال میں سرمایہ کاری، اس میں تصرف، اس کی حفاظت اور اسے خرچ کرنا۔ یہ ولایت باپ، دادا، ان دونوں کے وصی اور قاضی کے وصی کو حاصل ہوتی ہے۔

ولایت علی النفس والمال: یہ ولایت شخصی اور مالی دونوں ضرورتوں کو شامل ہے، اور یہ صرف باپ اور دادا کو حاصل ہوتی ہے۔

ولایت علی النفس کے سلسلے میں فقہاء نے پانچ شرطیں بیان کی ہیں، ان میں سے دو شرائط متفق علیہ ہیں اور یہ اول اور دوم ہیں، اور تین شرائط مختلف فیہ ہیں، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔کمال اہلیت: بلوغ، عقل اور حریت کی بنا پر (۹)، لہذا بچہ، مجنون، معتوہ (ضعیف العقل) اور نشہ میں مبتلا شخص کو ولایت حاصل نہیں ہے، اسی طرح درازی عمر یا فساد عقل کی وجہ سے کمزور فکر و نظر والے شخص اور غلام کو ولایت حاصل نہیں ہے، کیونکہ نقص ادراک اور عجز کی وجہ سے ان میں سے کسی کو اپنے اوپر ولایت حاصل نہیں، لہذا دوسرے پر بھی ولایت حاصل نہ ہوگی، اس لئے کہ ولایت کمال حال کا تقاضا کرتی ہے۔ اور جہاں تک غلام کا تعلق ہے تو چونکہ وہ اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے اس لئے وہ دوسرے کے معاملات کو سمجھنے کے لئے فارغ نہیں ہوسکتا۔

۲۔ولی اور مولی علیہ (زیر ولایت شخص) کے دین میں یکسانیت: لہذا غیر مسلم کو مسلم پر اور مسلم کو غیر مسلم پر ولایت حاصل نہیں ہے، یعنی فقہا، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک کوئی کافر کسی مسلمان عورت کا نکاح نہیں کرسکتا، ایسا ہی حکم اس کے برعکس صورت میں بھی ہے۔ شافعیہ کا خیال ہے کہ کافر کافرہ کا نکاح کرسکتا ہے، خواہ کافرہ کا شوہر کافر ہو یا مسلمان ہو۔ اور مالکیہ کا خیال ہے کہ ایک مسلمان کافرہ کتابیہ کا نکاح کرسکتا ہے۔ مرتد کو مسلمان یا کافر کسی پر ولایت حاصل نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض" (توبہ/۷۱)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "والذين كفروا بعضهم أولياء بعض" (الانفال/۷۳)۔ اسی طرح ارشاد ہے: "ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا" (النساء/۱۴۱)۔ اسی طرح حدیث نبوی ہے: "الإسلام يعلو ولا يُعلىٰ" (۱۰) (اسلام غالب ہوتا ہے، مغلوب نہیں)۔ اتحاد دین کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ مصالح کے حصول میں نقطۂ نظر یکساں ہو، کیونکہ مسلمان پر کافر کو ولایت حاصل ہونے کا مطلب کافر کی طرف سے مسلمان کی تحقیر کرنا ہے۔ امام یا اس کا نائب اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ ان کو تمام مسلمانوں پر ولایت عامہ حاصل ہے۔

۳۔ذکورت: یہ حنفیہ کے سوا جمہور فقہاء کے نزدیک شرط ہے، لہذا عورت کو ولایت نکاح حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ عورت کو خود اپنے اوپر ولایت حاصل نہیں ہوتی تو اسے دوسرے پر بدرجہ اولی ولایت حاصل نہیں ہوگی۔ حنفیہ کا خیال ہے کہ ولایت کے ثبوت کے لئے ذکورت (مرد ہونا) شرط نہیں، لہذا ان کے نزدیک عاقلہ بالغہ عورت کو ولایت یا وکالت کے طور پر دوسروں کا نکاح کرنے کا اختیار ہے۔

فقہاء کا یہ اختلاف عبارت نساء سے انعقاد نکاح کے سلسلے میں ان کے سابقہ اختلاف سے متفرع ہے۔

۴۔عدالت سے مراد: دینی فرائض کی ادائیگی کے ذریعہ دین پر قائم رہنا، اور کبائر مثلاً زنا، والدین کی نافرمانی وغیرہ سے اجتناب اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرنا۔

عدالت شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے، لہذا غیر عادل یعنی فاسق کو ولایت حاصل نہیں، کیونکہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے: "لا نكاح إلا بشاهدي عدل وولي مرشد" (۱۱) (دو عادل گواہوں اور ولی مرشد کے بغیر نکاح نہیں ہوتا) اور اس لئے بھی کہ ولایت میں غور و فکر اور مصلحت بینی کی ضرورت ہوتی ہے، لہذا ولایت

ال کی طرح اس کا اختیار فاسق کو نہیں ہوگا۔

ظاہری عدالت کافی ہے، چنانچہ مستورالحال ہونا بھی کافی ہے، کیونکہ ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی عدالتوں کی شرط لگانے میں حرج اور مشقت ہے، اور اس کے نتیجہ میں بیشتر نکاحوں کو باطل قرار دینا لازم آئے گا۔

اس شرط سے سلطان مستثنیٰ ہے، چنانچہ سلطان اس کا نکاح کرائے گا جس کا کوئی ولی نہیں ہوگا، لہذا عملی ضرورت کے پیش نظر اس کی عدالت شرط نہیں۔

حنفیہ اور مالکیہ کا خیال ہے کہ ثبوت ولایت کے لئے عدالت شرط نہیں، لہذا ولی خواہ عادل ہو یا فاسق، اپنی بیٹی یا بھتیجی کی شادی کر سکتا ہے، کیونکہ اس کا فسق اس کی شفقت کے پائے جانے اور اپنے رشتہ دار کی مصلحت کو ملحوظ رکھنے سے مانع نہیں، اور اس لئے بھی کہ ولایت عام ہے، اور عہد رسالت اور بعد کے ادوار میں کسی کو فسق کی بنا پر شادی کرانے سے منع کیا جانا منقول نہیں۔

یہی رائے راجح ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس کی مذکورہ حدیث ضعیف ہے، اور اس لئے بھی کہ "مرشد" کے معنی عادل کے نہیں ہیں، بلکہ مرشد وہ ہوتا ہے جو مصلحت کے مقامات کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، اور فاسق اس کی اہلیت رکھتا ہے۔

۵۔ رشد: فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس کا مفہوم ہے: کفو اور مصالح نکاح کی معرفت، نہ کہ مال کی حفاظت، کیونکہ ہر موقع کا رشد اس کے اعتبار سے ہے۔ شوافع کے نزدیک اس کا مفہوم ہے: مال کا عدم اسراف۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ثبوت ولایت کے لئے رشد شرط ہے، کیونکہ جس شخص پر سفاہت کی بنا پر پابندی ہوتی ہے وہ اپنی شادی خود نہیں کر سکتا، لہذا وہ دوسرے کا کام بھی انجام نہیں دے سکتا، لیکن اگر سفیہ محجور علیہ نہ ہو تو شافعیہ کے معتمد قول کے مطابق اس کے لئے دوسرے کی شادی کرانا جائز ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کا خیال ہے کہ رشد بمعنی مال میں بطریق احسن تصرف، ثبوت ولایت کے لئے شرط نہیں ہے، لہذا سفیہ مبذر (فضول خرچ کم عقل) خواہ وہ محجور علیہ ہی کیوں نہ ہو اسے دوسرے کی شادی کرانے کا اختیار ہے، لیکن مالکیہ کے نزدیک بھی مستحب یہ ہے کہ اگر شادی ذی الرائے سفیہ کرا رہا ہو تو ولی اور مولیہ (زیر ولایت لڑکی) کی اجازت ہی سے کرائے، لہذا اگر مثال کے طور پر اس نے اپنی لڑکی کی شادی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کر دی تو مستحب ہے کہ ولی اس نکاح کی مصلحت پر غور کر لے، اگر وہ نکاح قرین مصلحت ہو تو اسے برقرار رکھے ورنہ اسے رد کر دے، اور اگر اس نے مصلحت نکاح پر غور نہ کیا تو نکاح نافذ ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک شرائط ولی چار ہیں: عقل، بلوغ، آزادی، اتحاد دین۔ عدالت اور رشد شرط نہیں ہیں۔

۲۔شریعت نے کن لوگوں کو اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار دیا ہے، اور کن کے نکاح کا اختیار ان کے اولیاء کے حوالہ کیا ہے؟

شادی بھی دیگر تمام معاملات کی طرح ایک معاملہ ہے جس کو ہر وہ شخص انجام دے سکتا ہے جو اسے انجام دینے کی کامل اہلیت رکھتا ہو، یعنی عاقل بالغ خواہ وہ مرد ہو یا عورت، لہذا جن کو اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار ہے وہ ہیں: عاقل بالغ مرد اور عورتیں، چنانچہ فقہاء حنفیہ کی کتابوں میں مندرجہ ذیل عبارت ملتی ہے:

وعبارة النساء معتبرة في النكاح حتى لو زوّجت الحرة العاقلة البالغة نفسها جاز، وكذلك لو زوّجت غيرها بالولاية أو الوكالة، وكذاإذا وكّلت غيرها في تزويجها أو زوّجها غيرها فأجازت (۱۲)۔

(نکاح میں عورتوں کی عبارت معتبر ہے، لہذا اگر آزاد عاقلہ بالغہ عورت نے اپنا نکاح خود کر لیا تو جائز ہے، اسی طرح اگر اس نے ولایت یا وکالت کے طور پر دوسرے کا نکاح کر دیا تو بھی جائز ہے، اسی طرح اگر اس نے دوسرے کو اپنے نکاح کا وکیل بنا دیا یا دوسرے نے اس کا نکاح کر دیا اور اس نے اجازت دے دی تو بھی جائز ہے)۔

ولا يجوز للولي إجبار البالغة على النكاح لأنها حرة مخاطبة بالتكاليف الشرعية بالغة فلا يكون للغير عليها ولاية (۱۳)۔

(ولی کے لئے جائز نہیں کہ بالغہ کو نکاح پر مجبور کرے، کیونکہ وہ آزاد تکالیف شرعیہ کی مخاطب اور بالغہ ہے، لہذا دوسرے کو اس پر ولایت حاصل نہیں ہوگی)۔

شامی پرسنل لاء قانون دفعہ نمبر ۲۰ میں ہے: ''بالغہ لڑکی جس کی عمر سترہ سال ہو چکی ہو اگر نکاح کرنا چاہے تو قاضی ایک متعینہ مدت کے اندر اس لڑکی کے ولی سے اس کی رائے معلوم کرے گا، اگر ولی کو کوئی اعتراض نہ ہو یا اس کا اعتراض قابل اعتناء نہ ہو تو قاضی کفاءت کی شرط کے ساتھ اس کی شادی کی اجازت دے گا''۔

یہ واضح رہے کہ فقہی اعتبار سے بلوغ کی پہچان اس کی طبعی علامتوں کے ظہور سے ہوتی ہے (لڑکے میں اس کی علامت انزال ہے، اور لڑکی میں حیض یا حمل) اس کے لئے کسی متعین عمر کی قید نہیں، اور اگر بلوغ کا عمل تاخیر سے ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لڑکوں کے سلسلے میں اٹھارہ سال ہو جانے پر اور لڑکیوں کے سلسلے میں سترہ سال ہو جانے پر بلوغ کا حکم لگایا جائے گا، صاحبین اور جمہور کے نزدیک پندرہ سال کی تکمیل پر لڑکے اور لڑکی دونوں پر بلوغ کا حکم لگا دیا جائے گا، حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ رائے یہی ہے۔

رہے وہ لوگ جن کے نکاح کا اختیار شریعت نے ان کے اولیاء کے حوالہ کیا ہے تو وہ ہیں: نابالغی یا جنون یا کم عقلی کے سبب اہلیت نہ رکھنے والے یا ناقص اہلیت والے، کم عقل اگر چہ وہ بالغ ہوں، نشہ میں مبتلا شخص، درازی عمر یا فساد عقل کے سبب غور و فکر میں کوتاہی کرنے والا اور غلام، کیونکہ بصیرت کی کمی اور عاجز ہونے کی بنا پر اور غلام کے اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کو خود اپنے اوپر ولایت حاصل نہیں ہے (۱۴)۔ یعنی ولی (جو کہ

امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک عصبہ ہوتا ہے) جن لوگوں کا نکاح کرائے گا وہ ہیں: نابالغ لڑکا اور لڑکی خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ، حنفیہ کے مطابق۔

مالکیہ نے حق تزویج کو باپ میں محدود کر دیا ہے، اور شافعیہ نے باپ اور دادا میں، کیونکہ ان کے علاوہ میں شفقت کی کمی اور قرابت کی دوری پائی جاتی ہے۔ شافعیہ نے ثیبہ صغیرہ سے صراحتاً اجازت حاصل کرنے کو واجب قرار دیا ہے، جہاں تک باکرہ کا تعلق ہے تو ولی کے لئے مستحب ہے کہ اس سے اجازت لے لے، اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے، اور ولی کو اختیار ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر دے چاہے وہ بالغہ ہی کیوں نہ ہو، لیکن ثیبہ کا نکاح ولی اس کی اجازت سے کرے گا، اور باپ کی ولایت کے ساقط ہونے کی وجہ سے ثیبہ صغیرہ کا نکاح بلوغ سے قبل نہیں کیا جائے گا۔

اس سوال کا تقاضا ہے کہ مندرجہ ذیل تین مسائل پر تفصیلی گفتگو کی جائے:

(الف) کیا ولایت کے بارے میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان کچھ فرق ہے؟ لڑکے پر ولی کی ولایت کب ختم ہوتی ہے؟ اور لڑکی پر ولی کی ولایت کب ختم ہوتی ہے؟

نکاح میں ولایت اجبار کے بارے میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان کوئی فرق نہیں، لہذا حنفیہ کی رائے کے مطابق ولی عصبہ کے لئے جائز ہے کہ وہ صغیر و صغیرہ، مجنون و مجنونہ، معتوہ و معتوہہ اور غلام کا نکاح کرائے، نابالغہ لڑکی خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، ان کے نزدیک مکلفہ (یعنی عاقلہ بالغہ) خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، کے نکاح میں ولی کی موجودگی شرط نہیں ہے، لیکن باکرہ کے لئے بہتر یہی ہے کہ اپنے نکاح کا معاملہ اپنے ولی کے سپرد کر دے۔

عاقل ہونے کی صورت میں مرد یا عورت پر بلوغ سے ولایت ختم ہو جاتی ہے، مجنون، مجنونہ، معتوہ، معتوہہ پر عقل آ جانے سے ولایت ختم ہو جاتی ہے، نشہ میں مبتلا شخص پر نشہ ختم ہونے یا افاقہ سے اور غلام پر آزادی سے ولایت ختم ہو جاتی ہے۔ درمختار کے مصنف لکھتے ہیں: بالغہ باکرہ کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ بلوغ سے اس پر ولایت ختم ہو جاتی ہے (۱۵)۔

(ب) نکاح کے بارے میں عاقلہ بالغہ لڑکی کے خود اپنے نفس پر کیا اختیارات ہیں، کیا وہ ولی کی مرضی کے بغیر اپنا نکاح خود کر سکتی ہے؟ ولی کی مرضی کے بغیر لڑکی نے اگر خود اپنا نکاح کر لیا تو شرعاً منعقد ہوا یا نہیں، ایسا کرنے سے لڑکی گنہگار ہوئی یا نہیں؟

عاقلہ بالغہ عورت کے لئے اپنا نکاح خود کرنا اور دوسرے کو اپنے نکاح کا وکیل بنانا درست ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے ظاہر الروایہ میں مروی قول اور امام زفر کے قول کے مطابق یہ نکاح اگر چہ ولی کی مرضی کے بغیر ہو مطلقاً صحیح ہوگا، کیونکہ اصل یہ ہے کہ "جس شخص کو اپنے مال میں تصرف کا حق ہے اسے اپنے نفس میں بھی تصرف کا حق ہے، اور جس کو اپنے مال میں تصرف کا حق نہیں اس کو اپنی ذات میں بھی تصرف کا حق نہیں"۔ اس نکاح پر طلاق و میراث وغیرہ کے احکام مرتب ہوں گے، لیکن نکاح لازم نہ ہوگا، لہذا ولی عصبہ خواہ وہ غیر محرم ہی کیوں نہ ہو، جیسے اصح قول کے

مطابق چچازاد بھائی، کو غیر کفو میں نکاح کی صورت میں اعتراض کا حق حاصل ہوگا بشرطیکہ عورت کو بچہ پیدا نہ ہوا ہو، یا اس کا حمل ظاہر نہ ہوا ہو، ایسی صورت میں قاضی نکاح کو فسخ کردے گا اور تجدد نکاح سے ولی کا اعتراض متجدد ہوگا، مثال کے طور پر اپنی زیر ولایت لڑکی کی شادی ولی نے اس کی اجازت سے غیر کفو میں کردی، اور شوہر نے اسے طلاق دے دی، پھر اس لڑکی نے دوبارہ اسی شوہر سے اپنا نکاح از خود کرلیا تو ولی کو تفریق کا حق حاصل ہوگا، اور نکاح اول سے رضامندی نکاح ثانی پر رضامندی نہیں قرار پائے گی، الا یہ کہ ولی اس عورت کے بچہ پیدا ہونے تک خاموش رہے، ایسا اس لئے تاکہ بچہ ضائع نہ ہو اور حمل ظاہر کو ولادت سے ملحق کیا جاسکے۔ فساد زمان کی وجہ سے غیر کفو میں نکاح کی صورت میں عدم جواز کا قول ہی مفتی بہ ہے۔ اسی طرح ولی کی اجازت کے بغیر عورت کے خود سے کئے ہوئے نکاح کے لزوم کے لئے شرط یہ ہے کہ مہر مہر مثل سے کم نہ ہو۔

بنا بریں عورت کو حق ہے کہ اپنا نکاح ولی کی رضامندی کے بغیر کرلے، اور اگر اس نے ایسا اقدام کیا تو عقد منعقد اور صحیح ہوگا اور عورت ایسا کرنے سے گنہگار نہ ہوگی، لیکن ایسی صورت میں اس نے سنت نبوی کی مخالفت کی، کیونکہ سنت نبوی میں نکاح کو ولی کی رضا سے مربوط کردیا گیا ہے، لہذا اولی ہی سے نکاح کرانے کا مطالبہ کیا جائے گا تاکہ عورت بے شرم نہ سمجھی جائے۔

حنفیہ کے دلائل کتاب وسنت اور عقل کی روشنی میں:

جہاں تک کتاب اللہ کی بات ہے تو قرآن کی متعدد آیات میں صراحتاً نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے، اور اسناد میں اصل یہ ہے کہ وہ فاعل حقیقی کی طرف ہو، چنانچہ اللہ تعالی کا قول ہے: "**فإن طلّقها فلا تحلّ له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره**" (بقرہ/۲۳۰)۔ ایک جگہ ارشاد ہے: "**وإذا طلّقتم النساء فبلغن أجلهنّ فلا تعضلوهنّ أن ینکحن أزواجهنّ**" (بقرہ/۲۳۲)۔ ایک اور موقع پر ارشاد ہے: "**فإذا بلغن أجلهنّ فلا جناح علیکم فیما فعلن فی أنفسهنّ بالمعروف**" (بقرہ/۲۳۴)۔ ان آیات کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورت کا نکاح، اس کی مراجعت اور جو کچھ وہ اپنے سلسلے میں معروف کے مطابق کرے، سب کا صدور اسی سے ہوتا ہے۔ اور اس سے صادر ہونے والے عمل پر اس کا اثر مرتب ہوتا ہے، یہ عمل ولی کی اجازت یا اس کی انجام دہی پر موقوف نہیں

جہاں تک سنت کی بات ہے تو بخاری کے علاوہ تمام محدثین نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: **قال رسول الله ﷺ: "الثیب أحق بنفسها من ولیها، والبکر تستأذن فی نفسها وإذنها صماتها"**۔ اور ایک روایت میں ہے: "**الأیم أحق بنفسها**"۔

ایّم کا مفہوم ہے: جس عورت کا کوئی شوہر نہ ہو، خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ ابوداؤد اور نسائی کی روایت ہے **لیس للولی مع الثیب أمر والیتیمة تستأمر وصمتها إقرارها** (ثیبہ کے ساتھ ولی کا کوئی اختیار نہیں، عورت سے اس کی رائے معلوم کی جائیگی، اور اس کی خاموشی اس کا اقرار ہے)۔

درحقیقت ثیبہ اور باکرہ کے درمیان فرق صرف اتنا ہے کہ باکرہ پر عموماً حیا غالب ہوتی ہے، جو اس کے۔

نکاح کی صراحت سے مانع ہوتی ہے، لہذا شریعت نے اسے رخصت عطا کرتے ہوئے صرف ایسے عمل پر اکتفاء کیا جو اس کی رضا پر دلالت کرے، یہ چیز اہلیت کے عام ضوابط سے ہم آہنگ ہے۔ایک حدیث وہ ہے جو نبی ﷺ کے ام سلمہ سے شادی کرنے کے سلسلے میں مروی ہے کہ جب آپ ﷺ ان کے پاس ان ہی سے نکاح کرنے کا پیغام بھیجا تو انہوں نے کہا: ''میرے اولیاء میں سے کوئی موجود نہیں ہے''، تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''**لیس احد من أولیائک شاهد و لا غائب یکره ذلک**'' (۱٦) (تمہارے اولیاء میں سے کوئی حاضر اور غائب ایسا نہیں جو اسے ناپسند کرتا ہو) اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء کو کراہت کی جگہ کے علاوہ میں کراہت کے اظہار کا حق نہیں ہے۔

جہاں تک عقل کا تعلق ہے تو یہ بات واضح ہے کہ عقد نکاح کے اولین مقاصد عورت کے ساتھ مخصوص ہیں، ان مقاصد میں کوئی ولی اس کا شریک نہیں، مثلاً جماع کی حلت، نفقہ اور سکنیٰ کا وجوب، اور اس طرح کے دوسرے مخصوص حقوق جو اس عقد کے نتیجہ میں عورت کو حاصل ہوتے ہیں، اس قسم کے معاملات میں اصل یہ ہے کہ ان کو وہ شخص انجام دے جو اس کے اصلی مقاصد سے متعلق ہو، دوسرے کے ثانوی حق ملحوظ رکھنے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ اسے عقد پر اعتراض کرنے کا حق دے دیا جائے بشرطیکہ ان فوائد کے حصول کی توقع نہ ہو جو اس کی طرف راجع ہوتے ہوں۔

دیگر مذاہب کے دلائل:

حنفیہ کے سوا جمہور نے نکاح کے منعقد ہونے کے لئے ولی کا ہونا شرط ہے اس پر کتاب وسنت اور مندرجہ ذیل عقلی دلائل سے استدلال کیا ہے۔

کتاب اللہ سے استدلال:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**وانکحوا الأیامی منکم والصالحین من عبادکم وإمائکم**'' (النور/۳۲) ایک موقع پر ارشاد ہے: ''**ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا**'' (بقرہ/۲۲۱)، مذکورہ دونوں آیتوں میں خطاب اولیاء سے ہے، لہذا معلوم ہوا کہ نکاح کی ذمہ داری ان کے سپرد ہے نہ کہ عورتوں کے ذمہ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**وإذا طلّقتم النساء فبغلن أجلهنّ فلا تعضلوهنّ أن ینکحن أزواجهنّ**'' (بقرہ/۲۳۲)۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ اولیاء عورتوں کو شوہروں کے انتخاب سے روکتے ہیں، اور روکنا اسی کی طرف سے ممکن ہے جس کے اختیار میں شی ممنوع ہو، اس طرح اس آیت سے معلوم ہوا کہ عقد نکاح کا اختیار ولی کو ہے نہ کہ عورت کو۔

جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں چند احادیث ہیں، ایک حدیث ہے: ''**لا نکاح إلا بولي**'' (۱۷)۔ یہ حدیث اس باب میں صریح ہے کہ نکاح بغیر ولی کے درست نہیں ہوتا۔ ایک حدیث ہے: ''**أیما امرأة نکحت بغیر إذن ولیها فنکاحها باطل۔ قالها ثلاثا۔ فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها فإن تشاجروا فالسلطان ولي من لا ولي له**'' (۱۸)۔ ایک حدیث میں ہے: ''**لا تزوّج المرأة المرأة، ولا تزوّج المرأة نفسها، فإن الزانیة هي التي تزوج نفسها**'' (۱۹)۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ ولی کے تجربہ سے عورت کے حق میں مقاصد نکاح یعنی محبت اور بقائے معاشرت کی تکمیل ہوتی ہے، جبکہ عورت عموماً جذبات کے فیصلے سے مغلوب ہوجاتی ہے۔

حنفیہ نے مندرجہ ذیل پہلوؤں سے ان دلائل پر بحث کی ہے:

پہلی اور دوسری دونوں آیتوں میں مسلمانوں سے عام خطاب ہے، اولیاء سے خاص خطاب نہیں۔ تیسری آیت کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ اس میں مردوں کو اس بات سے روکا گیا کہ وہ عورتوں کو عقد نکاح کرنے سے منع کریں، بلکہ اس میں تو خطاب شوہروں سے ہے، جس کو فخر الدین رازی نے بھی اختیار کیا ہے۔

رہ گئی بات حدیث "لا نكاح إلا بولي" کی تو وہ ضعیف ہے اور اس کی سند میں اضطراب ہے، اسی طرح حدیث "أيما امرأة" بھی منقطع ہے، اور اس کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا نکاح اس کے ولی کی اجازت سے درست ہے، اور یہ مفہوم جمہور کی رائے کے خلاف حجت ہے۔ رہا سوال حدیث "لاتزوج المرأة المرأة" کا تو جیسا کہ ابن کثیر نے اس کے بارے میں فرمایا ہے، صحیح یہ ہے کہ: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ ؓ پر موقوف ہے۔ اس حدیث کا مقصد عقد نکاح کے اختیار میں عورت کے خودسر ہونے سے نفرت دلانا ہے، لیکن اس میں ایسا کوئی اشارہ نہیں کہ اگر عورت ازخود عقد نکاح کرلے تو عقد فاسد ہوجائے گا۔ پھر یہ احادیث آپ ؐ کے قول: "الأيّم أحقّ بنفسها من وليّها" (۲۰) سے متعارض ہیں، اور ایّم کا مطلب جیسا کہ گذر چکا، وہ عورت ہے جس کا کوئی شوہر نہ ہو، خواہ وہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ عورت کے تصرفات کی صحت کو ثابت کرنے والی اہلیت ہی عورت کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ دیگر معاملات کی طرح عقد نکاح کو بھی انجام دے سکے، لیکن اسلامی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہتر ہے کہ ولی کی رائے یا اس کی اجازت لے لی جائے اور ولی ہی عقد نکاح کو انجام دے تاکہ عورت بے حیائی کی طرف منسوب نہ کی جائے اور عرف و دستور کے خلاف بھی نہ ہو۔

(ج) عورت نے ولی کی اجازت اور مرضی کے بغیر اپنا نکاح کرلیا، اور جب ولی کو اس نکاح کا علم ہوا تو اس نے اس نکاح سے اتفاق کیا یا اسے رد کردیا، تو شرعاً اس اجازت اور رد کا اس نکاح پر کیا اثر ہوگا؟

اگر ولی نے عورت کی اپنی پسند سے کی گئی شادی سے اتفاق کیا تو سنت نبوی کا تحقق ہوگیا اور عقد صحیح اور بابرکت ہوا، کیونکہ اس میں نکاح کے تمام ارکان، شرائط اور آداب کو ملحوظ رکھا گیا ہے، لیکن امام محمد بن الحسن (جن کے نزدیک ولی کی موافقت شرط ہے) کی رائے کے مطابق اس اتفاق سے نقص ختم ہوجائے گا، کیونکہ ولی کی اجازت متحقق ہوگئی (۲۱)۔

لیکن اگر ولی نے نکاح کو رد کردیا تو اس سے عقد کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور عقد صحیح، نافذ اور لازم ہو گا، الا یہ کہ نکاح غیر کفو میں ہو یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ ہو (۲۲)۔

۳۔ عاقلہ بالغہ لڑکی کے ازخود نکاح کر لینے کی صورت میں اولیاء کو اس نکاح پر اعتراض کا حق ہے یا نہیں؟ اور کیا اولیاء اس نکاح کو بذریعہ قاضی فسخ کرا سکتے ہیں؟

فقہاء مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے کہ عقد نکاح میں کفاءت شرط لزوم ہے نہ کہ شرط صحت عقد، لیکن حنفیہ کے نزدیک مفتیٰ بہ یہی ہے کہ یہ صحت نکاح کے لئے شرط ہے، چنانچہ اگر عورت غیر کفو میں نکاح کر لے تو عقد صحیح ہوگا، اور اولیاء کو اس پر اعتراض کرنے اور اسے فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

حنفیہ فرماتے ہیں (۲۳): ولی کو غیر کفو کی صورت میں اعتراض کا حق ہوگا، لہٰذا اگر عورت نے اپنا نکاح غیر کفو میں کر لیا تو اولیاء اگر چہ وہ محارم نہ ہوں جیسے چچازاد بھائی، کو اپنی طرف سے عار کو دفع کرنے کے لئے زوجین کے درمیان تفریق کرانے کا حق ہے۔ اسی طرح انہیں اس میں بھی اعتراض کا حق ہے جب مہر میں غبن فاحش پایا جائے، لہٰذا اگر کوئی ولی عصبہ غیر کفو میں نکاح کی صورت میں قاضی کے سامنے اعتراض کرے تو قاضی کو فسخ نکاح کا حق ہوگا، بشرطیکہ ولی عورت کے بچہ ہونے یا اس کے حمل ظاہر ہونے تک خاموش نہ رہے، یہ حکم ظاہر الروایہ کے مطابق ہوگا تاکہ بچہ ضائع اور مجہول النسب نہ ہو، یہ تفریق قضاء قاضی سے ہی ممکن ہے، کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔

صاحب درمختار نے ذکر کیا ہے کہ شوہر کے غیر کفو ہونے کی صورت میں فساد زمانہ کی بنا پر عدم جواز ہی مفتیٰ بہ ہے، لہٰذا ولی کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کے ذریعہ اس کے ولی کے علم میں آنے کے بعد مطلقہ ثلاثہ حلال نہیں ہوگی۔

ابن عابدین کے مذکورہ قول کے بارے میں شمس الائمہ فرماتے ہیں: یہ احتیاط سے قریب تر ہے۔ علامہ قاسم کی تصحیح میں بھی اسی طرح ہے، کیونکہ ہر ولی مقدمہ کو اچھی طرح نہیں پیش کر سکتا اور نہ ہر قاضی عدل کرتا ہے، اور اگر ولی مرافعت اچھی طرح کر بھی لے اور قاضی انصاف بھی کرے پھر بھی ہو سکتا ہے کہ ولی بار بار حکام کے دروازے پر آنے سے غیرت محسوس کرتے ہوئے اور مقدمہ کو گراں بار سمجھ کر اعتراض ہی ترک کر دے۔ ایسی صورت میں ضرر محقق ہے، لہٰذا ولی کا روکنا اس ضرر کو دفع کرنا ہے۔ فتح القدیر سے یہی منقول ہے (۲۴)۔

۴۔ ولی نے زیر ولایت لڑکی کا نکاح اس کی نابالغی کے زمانہ میں کر دیا، لیکن لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش نہیں ہے تو اس نکاح کو وہ فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں باپ اور دادا کے کئے ہوئے نکاح اور دوسرے اولیاء کے کئے ہوئے نکاح کے حکم میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں حنفیہ کے نزدیک اختلاف و تفصیل ہے (۲۵)۔ اگر صغیر یا صغیرہ خواہ وہ ثیبہ ہو، کا غیر کفو میں نکاح کرانے والا باپ یا دادا ہو، اور ان میں سے کوئی جنون یا فسق کے سبب سوء اختیار میں معروف نہ ہو، تو ایسی صورت میں نکاح صحیح اور لازم ہوگا، اور صغیرہ کو اعتراض اور فسخ نکاح کا حق حاصل نہ ہوگا، خواہ وہ نکاح مہر میں غبن فاحش (جس میں لوگ غبن کا تحمل نہ کر سکتے ہوں) کے ساتھ ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔

لزوم نکاح کا مفہوم یہ ہے کہ نکاح کسی کی اجازت پر موقوف نہ ہوگا، اور نہ اس میں خیار ثابت ہوگا، کیونکہ باپ اور دادا پختہ رائے اور بھرپور شفقت والے ہیں، لہٰذا ان دونوں کے نکاح کر دینے سے عقد اسی طرح لازم ہو جائے

گا جیسا کہ بلوغ کے بعد بچہ اور بچی کی مرضی سے ان دونوں کا کرایا ہوا نکاح لازم ہوتا ہے۔ لیکن اگر باپ یا دادا فسق یا مجون کے سبب سوء اختیار میں معروف ہوں یا نشہ کی حالت میں انہوں نے نابالغہ لڑکی کا نکاح فاسق یا شریر یا فقیر یا کمتر پیشہ والے سے کر دیا، یا اس کی شادی مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کر دی، تو نکاح سوء اختیار کے ظاہر ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوگا، اور ایسی صورت میں اس کی متوقع شفقت اس کے معارض نہیں ہوگی۔

اور اگر نابالغہ لڑکی کی شادی کرانے والے باپ یا دادا کے علاوہ ہوں، خواہ ماں ہو یا قاضی یا باپ کا وکیل، تو غیر کفو یا مہر میں غبن فاحش کی صورت میں سرے سے نکاح ہی صحیح نہ ہوگا، اور اگر کفو میں اور مہر مثل کے ساتھ ہو تو صحیح ہو گا، لیکن بلوغ کے بعد یا نکاح کا علم ہونے کے بعد صغیر اور صغیرہ کو خیار فسخ حاصل ہوگا اگر چہ دخول کے بعد ہی ہو، اگر چاہیں تو نکاح کو باقی رکھیں اور چاہیں تو فسخ کرالیں، کیونکہ شفقت کی کمی ہے، اور زوجین کے درمیان بشرط قضاء فسخ کے ذریعہ تفریق کرادی جائے گی۔ حاصل یہ کہ اگر صغیر وصغیرہ کا نکاح کرانے والے اب وجد کے علاوہ ہوں تو انہیں بلوغ یا علم نکاح سے خیار بلوغ حاصل ہوگا، کیونکہ اختیار فسخ بشرط قضاء مثبت فسخ ہے، ثبوت فسخ سے پہلے اس نکاح میں زوجین کے درمیان وراثت کا عمل جاری ہوگا اور شوہر پر پورا مہر لازم ہوگا، کیونکہ پورا مہر جس طرح دخول سے لازم ہوتا ہے اگر چہ وہ دخول حکماً ہی ہو مثلاً خلوت صحیحہ، اسی طرح دخول سے پہلے ان میں سے کسی ایک کی موت سے بھی مہر لازم ہوگا۔ یہی راجح رائے ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی رائے بھی ہے، لہذا عقد کے بموجب بلوغ کے بعد خیار حاصل ہوگا۔

اور جب عورت نے خیار بلوغ میں فسخ کو اختیار کیا اور قاضی نے دونوں کے درمیان تفریق کرا دیا تو یہ تفریق بغیر طلاق ہوگی، کیونکہ یہ ایسا فسخ ہے جو دفع لزوم کے نتیجہ میں ثابت ہوا، لہذا اس کی حیثیت طلاق کی نہ ہوگی، اور اسی لئے اس کا ثبوت عورت کے حق میں ہوگا۔ اور اگر یہ فسخ دخول سے پہلے ہوا تو عورت کے لئے مہر نہیں ہوگا، کیونکہ فسخ کا مطلب عقد کے تقاضوں کو زائل کرنا ہے، اور اگر دخول کے بعد ہو تو عورت کو مہر مسمیٰ (متعین کردہ مہر) ملے گا، کیونکہ شوہر نے معقود علیہ (جس پر معاملہ طے پایا ہے) کو حاصل کر لیا۔

امام ابو یوسف کا خیال ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ دیگر اولیاء کا کیا ہوا نکاح بھی لازم ہوگا، لہذا نابالغوں کو بلوغ کے بعد خیار حاصل نہیں ہوگا۔

۵۔ خیار بلوغ کا حق لڑکی کو کب تک حاصل ہوتا ہے اور کب ساقط ہو جاتا ہے؟ قریب تر ولی زندہ ہو اور نسبۃً دور کے ولی نے لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہوگا یا نہیں؟

یہ سوال دو شقوں پر مشتمل ہے:

پہلی شق: باکرہ لڑکی کے حق میں خیار بلوغ فوری ہوگا، مجلس میں محض اس کے سکوت سے ہی اس کا خیار باطل ہو جائیگا، لہذا مجلس (مجلس بلوغ) میں اس کا سکوت ہی اس کی رضا ہے، مثلاً اسے نکاح کی خبر مل چکی تھی، اس کے بعد کسی مجلس میں حائضہ ہوئی، اور یا باکرہ بالغہ ہو چکی تھی، اس کے بعد کسی مجلس میں نکاح کی خبر پہونچی، بہر حال یہ خیار آخر مجلس تک باقی نہیں رہے گا۔ اور یہ عورت حکم خیار سے ناواقفیت کی بنیاد پر معذور نہیں سمجھی جائے گا، کیونکہ اس کی

پرورش دارالاسلام میں ہوئی ہے۔

جہاں تک اس ثیبہ کی بات ہے جو حالت ثیوبت میں (یعنی بلوغ سے قبل شوہر اس سے مباشرت کر چکا ہو) بالغ ہوئی ہو تو اس کا خیار تمام عمر ہے، کیونکہ اس کا سبب عدم رضا ہے، لہٰذا وہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک نکاح سے رضامندی پر دلالت کرنے والا کوئی عمل ظاہر نہ ہو جائے، اور مجلس سے اٹھ جانے پر اس کا خیار باطل نہیں ہوگا۔

اسی طرح لڑکے کا خیار اس وقت تک باطل نہیں ہوگا جب تک وہ یہ نہ کہے: رضیت (میں راضی ہوں)، یا جب تک اس کی طرف سے کوئی ایسا عمل ظاہر نہ ہو جائے جس سے معلوم ہو کہ وہ راضی ہے، یعنی ثیبہ کی طرح اس کا بھی خیار بلوغ تمام عمر ہے، اور مجلس سے اٹھ جانے سے اس کا خیار ساقط نہیں ہوگا۔

حاصل یہ کہ باکرہ کا خیار مجلس بلوغ میں یا خبر نکاح ملنے کی مجلس میں اس کے سکوت سے باطل ہو جائے گا۔ رہے ثیبہ اور لڑکا تو ان کا خیار بلوغ اس سے باطل نہیں ہوگا، ان کے خیار کی مدت پوری عمر ہے تاوقتیکہ ان میں سے کوئی یہ نہ کہے: رضیت (میں راضی ہوں) یا ان دونوں کی طرف سے ایسا عمل صادر ہو جو رضامندی پر دلالت کرے (۲۶)۔

اس سوال کی دوسری شق ہے: ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد کا نکاح کرانا۔

حنفیہ کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر ولی اقرب کے ہوتے ہوئے کوئی ولی اپنے مرتبہ کے پیش نظر نکاح کر دے تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا، الا یہ کہ ولی اقرب نابالغ یا مجنون ہو تو ولی ابعد کا کیا ہوا عقد نافذ ہوگا (۲۷)۔

ولی اقرب کو اس صورت میں فسخ کا حق حاصل ہوگا جب وہ لڑکے یا لڑکی کے شہر میں موجود ہو، لیکن اگر ولی اقرب غیبت منقطعہ کے طور پر غائب ہو تو ولی ابعد کے لئے نکاح کرانا جائز ہے۔

غیبت منقطعہ: یہ ہے کہ وہ کسی ایسے شہر میں ہو جہاں قافلے سال میں صرف ایک ہی مرتبہ پہونچتے ہوں، قدوری نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

یہ واضح رہے کہ ولایت اجبار کے سلسلے میں اولیاء کی ترتیب عصبات میں سے الأقرب فالأقرب کے اعتبار سے ہوگی، کیونکہ حضرت علیؓ سے مروی ہے: "النكاح إلى العصبات" (نکاح کا اختیار عصبات کو ہے) اور اس کی ترتیب حسب ذیل ہے:

بنوۃ (بیٹا ہونا)، اُبوۃ (باپ ہونا)، اُخوۃ (بھائی ہونا)، عمومۃ (چچا ہونا)، معتق (آزاد کرنے والا)، امام اور حاکم۔

امام ابوحنیفہؒ کا خیال ہے کہ عصبات اقرب کی عدم موجودگی میں ولایت تزویج استحساناً غیر عصبات کو حاصل ہوگی، کیونکہ ولایت نظری (جس میں حصول مصلحت کا لحاظ کیا جاتا ہے) ہوتی ہے، اور نظر کا تحقق اس صورت میں ہوگا جب ولایت اس شخص کو حاصل ہوگی جو شفقت پر آمادہ کرنے والی قرابت سے متصف ہو۔ صاحبین نے حضرت علیؓ کی مذکور الصدر روایت پر عمل کرتے ہوئے اس سے اختلاف کیا ہے، اور اس لئے بھی کہ ولایت قرابت کو غیر

کفو سے بچانے کے لئے ثابت ہوتی ہے، اور قرابت کا تحفظ عصبات ہی سے ممکن ہے، اور یہی قیاس کا بھی تقاضا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی رائے کے مطابق ولایت الأ قرب فالأ قرب کے اعتبار سے ذوی الارحام کو حاصل ہوگی، اگر عصبہ نہ ہو تو ولایت ماں کو حاصل ہوگی، پھر دادی کو، پھر نانی کو، اگر اصول میں سے کوئی نہ پایا جائے تو ولایت فروع کو حاصل ہوگی، اس طور پر کہ بیٹی کو پوتی پر قرب کی وجہ سے مقدم رکھا جائے گا، اور پوتی کو نواسی پر قوت قرابت کی وجہ سے مقدم کیا جائے گا، پھر جد رحمی یعنی نانا کو اور دادی کے باپ کو، پھر بہنوں کو پھر ماں شریک چچا کو، پھر علی الاطلاق پھوپھیوں کو، پھر ماموؤں کو، پھر خالاؤں اور ان کی اولاد کو، اگر ذوی الارحام میں سے کوئی موجود نہ ہو تو ولایت حاکم کی طرف لوٹ جائے گی، اور حاکم کی جگہ اس وقت قاضی ہے۔

اور اگر دو ولی قرب اور درجہ میں برابر ہوں تو ان میں سے کوئی ایک نکاح کرا دے گا، شامی قانون (م ۲/۲۲) میں اس کی صراحت موجود ہے کہ اگر دو ولی قرب میں مساوی ہوں تو ان میں سے جو بھی اپنی شرائط کے ساتھ نکاح کرادے، جائز ہے۔

۶۔ اگر ولی نے زیر ولایت لڑکی کے نکاح میں اس کے مصالح اور مفادات کا لحاظ نہیں کیا، بلکہ بالجبر یا اپنے کسی مفاد کی خاطر نامناسب جگہ لڑکی کی شادی کر دی، لڑکی اس نکاح سے مطمئن اور خوش نہیں ہے اور قاضی کے پاس فسخ نکاح کا دعوی لے کر آئی ہے، گواہوں کی بات سننے کے بعد قاضی کے سامنے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ولی نے اس نکاح میں لڑکی کے مفادات کا سرے سے کوئی لحاظ نہیں کیا ہے تو کیا قاضی اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے یا نہیں؟ ولی کے معروف بسوء الاختیار، ماجن اور فاسق متہتک ہونے سے کیا مراد ہے؟

جہاں تک اس سوال کی پہلی شق کا تعلق ہے تو فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفاءت جو کہ زوجین کے درمیان عقد نکاح میں شرط ہے، عورت اور اس کے اولیاء کا حق ہے، لہذا اگر کوئی عورت غیر کفو میں نکاح کر لے تو اس کے اولیاء کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہے، اور اگر ولی نے اس کا نکاح غیر کفو میں کر دیا تو اسے بھی فسخ کا حق حاصل ہے، کیونکہ یہ خیار معقود علیہ (جس پر معاملہ طے ہوا ہو) میں نقص کی بنا پر حاصل ہوتا ہے، تو یہ خیار بیع کے مشابہ ہو گیا (۲۸)۔

اور اس لئے بھی کہ پہلے گذر چکا ہے کہ ایک لڑکی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے عرض کیا: میرے والد نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا ہے تا کہ میرے ذریعہ اس کی خست کو دور کرے، راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کو اختیار دے دیا، تو اس نے کہا: میں اپنے والد کے کئے ہوئے نکاح کو برقرار رکھتی ہوں، لیکن میں عورتوں کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ باپ کو کچھ اختیار نہیں (۲۹)۔

حاصل یہ کہ اگر عورت نے کفاءت کو ترک کیا تو ولی کا حق باقی رہے گا، اسی طرح اس کے برعکس صورت میں۔ اس شق کا جواب یہ ہے کہ عورت کو قاضی سے واقعہ کی تحقیق کے بعد فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق حاصل ہے، لہذا اگر ولی نے عورت کے مفادات کا لحاظ نہیں کیا تو قاضی اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔

جہاں تک دوسری شق کا تعلق ہے تو سوء اختیار کا مفہوم ہے: فسق یا مجون میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یا سفاہت یا طمع کی بنا پر شرعی آداب اور اسلامی اخلاق کی پرواہ نہ کرنا۔ المغرب میں ہے: ماجن وہ ہے جسے اپنے فعل کی یا دوسرے اسے کیا کہتے ہیں، اس کی پرواہ نہ ہو۔

شرح مجمع الأنہر میں ہے: "حتی لو عرف من الأب سوء الاختیار لسفهه، أو لطمعه، لایجوز عقده إجماعا" (یہاں تک کہ اگر باپ کی طرف سے سفاہت یا طمع کی وجہ سے سوء اختیار معروف ہو تو اس کا کیا ہوا عقد بالاتفاق جائز نہیں)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ سوء اختیار یا تو سفہ کی بنا پر ہوگا یعنی اسراف اور ناسمجھی کی وجہ سے، یا حرص وطمع اور اپنے مصالح کو عورت کے مصالح پر ترجیح دینے کی وجہ سے، یا فسق میں مبتلا ہونے کی وجہ سے۔ اور امام راغب اصفہانی کے قول کے مطابق فسق سے مراد: ارتکاب گناہ کے ذریعہ خواہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، اللہ کی اطاعت سے نکل جانا، لیکن اس میں معروف اس صورت میں ہوگا جب کہ وہ کبیرہ ہو۔ اور عموماً فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو حکم شرعی کو مانتا ہو لیکن اس کے احکام پر عمل کرنے میں کوتاہی کرتا ہو۔ اسی طرح سوء اختیار مجون کی وجہ سے بھی ہوتا ہے، اور مجون جیسا کہ مختار الصحاح اور دیگر معاجم میں ہے، یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کی پروا نہ کرے۔

حاصل یہ کہ یہ امور ولی کی ولایت میں قادح ہیں، اگرچہ وہ باپ ودادا ہوں، اور جو اس میں معروف ہو اس کے لئے بالاتفاق اپنی زیر ولایت لڑکی کا نکاح کرانا درست نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر ولی نشہ میں مبتلا ہو اور اس نے لڑکی کی شادی فاسق یا شریر یا فقیر یا کم تر پیشہ والے سے کردی تو بھی اس کا نکاح کرانا درست نہ ہوگا، کیونکہ اس کا سوء اختیار ظاہر ہوگیا، لہذا اس کی متوقع شفقت اس کے منافی نہیں ہوگی (۳۰)۔

۷۔ ولی کون لوگ ہیں اور اولیاء میں باہم کیا ترتیب ہے؟

ولی لغت کے اعتبار سے عدو کی ضد ہے، عرفاً اس سے مراد عارف باللہ ہوتا ہے، اور شرعاً اس کا مفہوم ہے: بالغ، عاقل، وارث، اگرچہ وہ فاسق ہی ہو۔ جیسا کہ مذہب ہے۔ بشرطیکہ متہتک نہ ہو، لیکن اگر وہ متہتک ہو تو مہر مثل سے کم پر یا غیر کفو میں اس کی طرف سے اپنی مولیہ (زیر ولایت لڑکی) کا کیا گیا نکاح نافذ نہیں ہوگا۔

فسق اگرچہ حنفیہ کے نزدیک سلب اہلیت کا باعث نہیں ہے، لیکن اگر باپ متہتک ہو تو اس کا کیا گیا نکاح بشرط مصلحت ہی نافذ ہوگا۔ اور اگر ولی باپ یا دادا ہو، اور ان کا سوء اختیار معروف نہ ہو تو ان کا کیا گیا نکاح لازم ہوگا اگرچہ غبن فاحش کے ساتھ ہو یا غیر کفو میں ہو۔

اس سے ظاہر ہوا کہ فاسق متہتک (جو سیئ الاختیار کے مفہوم میں ہے) کی ولایت علی الاطلاق ساقط نہیں ہوتی، کیونکہ اگر اس نے کفو میں مہر مثل کے ساتھ نکاح کرایا تو اس کا کیا گیا نکاح درست ہوگا (۳۱)۔

جہاں تک اولیاء کی ترتیب کا تعلق ہے تو حنفیہ کے مسلک کے مطابق اس کا بیان گذر چکا ہے، اور یہ ترتیب عصبات میں اس طرح ہے:

۱۔ بیٹا اور پوتا، اسی طرح نیچے تک۔

۲۔ باپ اور دادا، اسی طرح اوپر تک۔

۳۔ سگا بھائی، علاتی بھائی اور ان دونوں کے بیٹے، اسی طرح نیچے تک۔

۴۔ سگا چچا اور باپ شریک چچا اور ان دونوں کے بیٹے، اسی طرح نیچے تک۔

پھر سلطان، یا اس کا نائب جو قاضی ہوتا ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کی جماعت کا نائب ہے جیسا کہ حدیث گذر چکی ہے: "السلطان ولي من لا ولي له" سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

معتمد قول کے مطابق وصی کو نابالغ اور نابالغہ کے نکاح کا اختیار نہیں، اگر چہ باپ نے اسے اس کی وصیت کی ہو، یہ ترتیب صاحبین کے مسلک کے مطابق ہے، اور یہ گذر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ ؒ کا خیال ہے کہ عصبات کی عدم موجودگی میں غیر عصبہ اقارب کو نکاح کی ولایت حاصل ہوگی، ترتیب "الأقرب فالأقرب" کے اعتبار سے ہوگی، لہذا اگر عصبہ نہ ہو تو ولایت ماں کو حاصل ہوگی، پھر دادی کو، پھر نانی کو، اگر اصول میں سے کوئی نہ پایا جائے تو ولایت فروع کو حاصل ہوگی، جیسا کہ گذر چکا، اگر ذوی الأرحام میں سے کوئی موجود نہ ہو تو ولایت حاکم کی طرف منتقل ہو جائے گی جو کہ ہمارے زمانہ میں قاضی ہے (۳۲)۔

۸۔ کسی لڑکی کے اگر یکساں درجہ کے ایک سے زائد ولی ہوں اور اجازت ولی کو شرط صحت قرار دیا جائے تو کیا نکاح کی صحت کے لئے کسی ایک ولی کی اجازت کافی ہوگی یا تمام مساوی اولیاء کا اتفاق ضروری ہوگا؟

ظاہر الروایہ کے مطابق کفاءت لزوم نکاح کی شرط ہے نہ کہ صحت نکاح کی، لہذا عقد صحیح ہو جائے گا لیکن لازم نہیں ہوگا، یعنی ولی کو یہ اختیار ہوگا کہ قاضی کے سامنے نکاح پر اعتراض کر کے فسخ نکاح کا مطالبہ کرے، حضرت امام حسن کی مختار روایت کے مطابق مفتی بہ یہ ہے کہ: کفاءت صحت نکاح کی شرط ہے۔

اور اگر اقرب ولی کئی ہوں، اس طور پر کہ وہ قرابت میں یکساں درجہ کے حامل ہوں جیسے حقیقی بھائی، ان میں سے بعض نکاح پر راضی ہوں اور بعض راضی نہ ہوں تو امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد امام محمد کے نزدیک بعض کی رضا مندی دوسروں کے حق کو ساقط کر دے گی، کیونکہ یہ ایک ایسا حق ہے جس میں تجزی نہیں ہوتی، چونکہ جس سبب سے یہ حق ثابت ہوا ہے اس میں بھی تجزی نہیں ہوتی یعنی قرابت، اور یہ حق قرابت دار کے لئے مکمل طور پر ثابت ہوتا ہے، اس میں تقسیم نہیں ہوتی ہے، اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ کسی غیر متجزی چیز کے جز کا ساقط کرنا کل کا ساقط کرنا ہے، لہذا اگر ایک ولی نے اپنا حق ساقط کر دیا تو دیگر کا حق بھی ساقط ہو گیا، جیسے دشمنوں کے لئے ولایت امان اور ولایت قصاص، چنانچہ اگر ایک مسلمان نے کسی حربی کو امان دے دی تو دوسرے مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اس حربی یا اس کے مال سے تعرض کرے، اور اگر حق قصاص کے مالک اولیاء کی جماعت میں سے کسی ایک نے قاتل کو معاف کر دیا جو ایک ناقابل تجزی حق ہے تو بقیہ کا حق ساقط ہو جائے گا اور کسی دوسرے ولی کو اس کے مطالبہ کا حق حاصل نہ ہوگا (۳۳)۔

الاختیار میں ہے: اگر کئی اولیاء میں سے ایک راضی ہو تو دوسرے ولی کو جو اس کے مساوی ہو یا اس سے نیچے درجہ کا ہو، اعتراض کا حق نہیں، اور اگر کوئی ولی اس سے بھی قریب تر ہو تو اسے اس کا اختیار ہے (۴۴)۔

امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ دیگر ائمہ مذاہب کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر یکساں درجہ کے بعض اولیاء راضی ہوں تو دوسروں کا حق اعتراض ختم نہ ہوگا، کیونکہ کفاءت ایک مشترک حق ہے جو ہر ایک کے لئے ثابت ہوتا ہے، اگر متعدد شرکاء میں سے کوئی اپنا حق ساقط کردے تو اس کے دوسرے شریک کا حق ساقط نہیں ہو جاتا، مثلاً دَین مشترک۔

نکاح میں ولایت کی شرط سے متعلق مختلف سوالات کے یہ جوابات ہیں، علمی اور نظری اعتبار سے ایک مسلمان مرد اور ایک مسلمان عورت کے لئے ان کا جاننا ضروری ہے۔

حواشی:

۱۔ اس حدیث کی تخریج سنن اربعہ کے مصنفین نے سوائے نسائی کے حضرت عائشہؓ سے کی ہے، اور ابو عوانہؒ، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۲۔ درمختار مع ردالمحتار ۲/۴۰۷، طبع الأمیریہ۔

۳۔ فتح القدیر ۲/۳۹۱ اور بعد کے صفحات، درمختار ۲/۴۰۷ اور بعد کے صفحات، الشرح الصغیر و حاشیہ الصاوی ۲/۳۵۳، مغنی المحتاج ۳/۱۴۷ اور بعد کے صفحات، المغنی ۶/۴۴۹۔

۴۔ ردالمحتار علی الدر المختار ۲/۲۳۷۔

۵۔ اس حدیث کی تخریج مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے کی ہے، اور امام مالکؒ نے اسے مؤطا میں نقل فرمایا ہے۔

۶۔ اسے امام احمدؒ اور سنن اربعہ کے مصنفین نے روایت کیا ہے۔

۷۔ اس حدیث کی تخریج امام احمد اور سوائے نسائی کے سنن اربعہ کے مصنفین نے کی ہے، ابوعوانہ، ابن حبان، حاکم اور ابن معین اور دیگر حفاظ حدیث نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اس حدیث کی تخریج گذر چکی ہے۔

۸۔ اس حدیث کی تخریج دارقطنی نے کی ہے، اس کی سند میں کلام ہے۔

۹۔ البدائع ۲/۲۳۹، الشرح الصغیر للدردیر ۲/۳۶۹ اور بعد کے صفحات، مغنی المحتاج ۳/۱۵۴ اور بعد کے صفحات، کشاف القناع ۵/۵۵ اور بعد کے صفحات۔

۱۰۔ دارقطنی نے اس حدیث کو اپنی سنن میں اور رویانی نے اپنی مسند میں عایذ بن عمرو مزنی سے مرفوعاً بیان کیا ہے، طبرانی نے اسے اوسط میں اور بیہقی نے دلائل میں عمر سے اور اسلم بن سہل نے تاریخ واسط میں معاذ بن جبل سے مرفوعاً بیان کیا ہے، اور بخاری نے اپنی صحیح میں اسے تعلیقاً بیان کیا ہے۔

۱۱۔ امام احمد فرماتے ہیں: اس باب میں اصح قول ابن عباس کا ہے جو مرفوعاً مروی ہے: "لا نكاح إلا بولي و شاهدى عدل، وأيما امرأة نكحها ولي مسخوط عليه، فنكاحها باطل"، اور برقانی نے اسے اپنی سند سے حضرت جابر سے مرفوعاً روایت کیا ہے: "لا نكاح إلا بولي وشاهدى عدل"۔

۱۲۔ کتاب الاختیار شرح المختار از علامہ عبداللہ بن محمود بن مودود الموصلی الحنفی ۲/۱۵۲، طبع دار البشائر، دمشق۔
۱۳۔ ہدایہ مع فتح القدیر وعنایہ ۲/۳۹۵، طبع المکتبۃ التجاریۃ، مصر۔
۱۴۔ البدائع ۲/۲۳۹، الدر المختار ورد المختار ۲/۴۱۷۔
۱۵۔ درمختار ۲/۴۱۰۔
۱۶۔ سبل السلام ۳/۱۲۰۔
۱۷۔ اس روایت کو امام احمد اور نسائی کے علاوہ تمام اصحاب سنن نے حضرت ابو موسی اشعریؓ سے نقل کیا ہے۔
۱۸۔ اسے ائمہ خمسہ (امام احمد اور نسائی کے علاوہ اصحاب سنن) نے حضرت عائشہؓ سے نقل فرمایا ہے۔
۱۹۔ اسے ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔
۲۰۔ اسے مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی نے اور امام مالک نے مؤطا میں بیان کیا ہے، جیسا کہ گذر چکا۔
۲۱۔ فتح القدیر ۲/۳۹۲۔
۲۲۔ الدر المختار ۲/۴۱۹، نیز دیکھئے حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث جسے احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور ارسال کی بنا پر معلول قرار دیا ہے (سبل السلام ۲/۱۲۲۔۱۲۳)۔
۲۳۔ فتح القدیر ۲/۳۹۳، ۴۱۹، الدر المختار ۲/۴۰۸۔۴۰۹، ۴۱۸۔۴۱۹۔
۲۴۔ فتح القدیر ۲/۴۱۹۔
۲۵۔ درمختار ورد المختار ۲/۴۱۸۔۴۱۹، فتح القدیر ۲/۴۰۷۔۴۰۸، ۴۲۵، البدائع ۲/۳۱۵، الاختیار ۲/۱۵۶۔
۲۶۔ فتح القدیر مع عنایہ ۲/۴۰۹۔۴۱۱۔
۲۷۔ فتح القدیر ۲/۴۱۳۔۴۱۶، الدر المختار ۲/۴۰۹ اور بعد کے صفحات۔
۲۸۔ البدائع ۲/۳۱۸، فتح القدیر ۲/۴۲۴، الشرح الکبیر للدردیر ۲/۲۹۴، مغنی المحتاج ۳/۱۶۴، کشاف القناع ۵/۷۲۔
۲۹۔ اس حدیث کو امام احمد، ابن ماجہ اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن بریدۃ عن أبیہ کے واسطے سے بیان کیا ہے (منتقی الأخبار مع نیل الأوطار ۶/۱۲۷)۔
۳۰۔ الدر المختار ۲/۴۱۸۔۴۱۹، ۴۳۶۔
۳۱۔ الدر المختار ورد المختار ۲/۴۰۶، ۴۱۷۔۴۱۸۔
۳۲۔ البدائع ۲/۲۴۰ اور بعد کے صفحات، فتح القدیر ۲/۴۰۵، ۴۱۳۔۴۱۶، الدر المختار ۲/۴۲۹۔۴۳۱۔
۳۳۔ الدر المختار ورد المختار ۲/۴۰۹۔
۳۴۔ الاختیار ۲/۱۶۲۔

☆☆☆☆☆